

عورت کی حکمرانی سے متعلق حضرت ابو بکرہ رضی اللہ کی روایت اور معاصر شبہات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

A Research and Analytical Study of Hz Abu Bakrah's (RA) Narration on Female Leadership and Contemporary Doubts

Muhammad Ishtiaq

*PhD Research Scholar, Department of Islamic Thought,
History & Culture,*

Faculty of Arabic & Islamic Studies, AIOU, Islamabad

Dr. Navid Iqbal

Assistant Professor,

Department of Hadith Sciences, AIOU, Islamabad

Email: navid.iqbal@aiou.edu.pk

Abstract

Islam has accorded extraordinary importance to the matter of leadership, governance and authority, as the proper direction and sustainability of collective order fundamentally depend upon it. The Islamic Shariah has not left this foundational issue subservient to human whims, shifting societal trends or transient circumstances; rather, it has delineated it through clear principles, robust regulations and definitive texts.

This article presents a detailed, research-oriented, and critical examination of the issue of women's leadership, governance and high offices in the light of the Prophetic traditions. It extends beyond mere theoretical or jurisprudential discourse to deeply scrutinize the modern doubts, objections and novel interpretations raised around these Prophetic hadiths particularly those advanced by certain intellectual and social circles in the contemporary era. Special attention is given to the renowned hadith narrated by Abu Bakrah (RA) which Imam al-Bukhari has included in his Sahih.

The article delves into the chain of narration (Sanad), textual implication (matn), and historical context of this hadith, clarifying that the majority of hadith scholars have affirmed its authenticity or, at the very least, its strong probative force (hujjiyyah). A significant portion addresses the detailed analysis of objections leveled against the narration from Sahih al-Bukhari, including claims of its rarity (gharib), criticism of certain narrators (jarh), alleged conflict with the Quran, and incompatibility with historical observations. These critiques are refuted with reasoned arguments grounded in the principles of hadith criticism, narrator evaluation (jarh wa ta'dil), Quranic exegesis, and jurisprudential norms. It is particularly

emphasized that the hadith's rarity does not negate its authenticity or probative value, and that verses such as those on consultation (shura) or other texts are not in conflict with it but, according to the eminent exegetes, actually endorse it.

The article also highlights that the concept of "falah" (success) mentioned in the hadith is not confined to material progress, economic prosperity, or apparent political stability; rather, it denotes comprehensive and true success in both worldly and hereafterly domains. In this context, it is clarified that any apparent progress or stability under female governance in a society does not contradict the hadith's purport, for Shariah measures falah not by superficial achievements but by divine pleasure and adherence to Allah's ordained principles.

Keywords: Female leadership, Abu Bakrah's (RA) narration, Historical context, Contemporary doubts, Hadith criticism

تمہید

اسلام کوئی ایسا دین نہیں ہے جو زندگی کے چند گوشوں تک محدود ہو یا اس کے بعض حصوں تک ہی مقصور ہو، بلکہ وہ ایک مکمل اور ہمہ گیر نظام حیات ہے جو فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست سب کے تمام معاملات کو محیط ہے۔ اسلام اپنی ہدایات کے لیے اپنے اصل اور مستند مصادر، یعنی قرآن کریم اور سنت نبویہ مطہرہ سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ وہ فرد کی زندگی کو عبادات اور معاملات کے ذریعے منظم کرتا ہے، خاندان کے لیے حقوق و فرائض کی حدود متعین کرتا ہے، معاشرے کے لیے عدل و مساوات کے اصول قائم کرتا ہے، اور ریاست کے لیے قیادت اور حکمرانی کی مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

اسلامی شریعت نے قیادت، امارت اور اجتماعی نظم کے مسئلے کو اپنی بنیادی اور نہایت اہم ترجیحات میں شامل رکھا ہے، اور اسے انسانی خواہشات، بدلتے ہوئے رجحانات یا عارضی زمانی حالات کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے لیے قطعی نصوص پر مبنی مضبوط اور واضح اصول مقرر کیے ہیں، تاکہ معاشرہ ہمیشہ کامل عدل، فطری توازن اور صحیح انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق استقامت اور پائیداری کے ساتھ ترقی کرتا رہے۔

یہ مقالہ عورت کی قیادت، حکمرانی اور اعلیٰ اختیارات کے مسئلے کا روایات مبارکہ کی روشنی میں ایک تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ یہ محض ایک نظری یا تجزیاتی بحث نہیں، بلکہ ان روایات کے گرد پیدا کیے گئے شبہات اور اعتراضات کا بھی نہایت باریک بینی سے علمی اور تنقیدی جائزہ لیتا ہے۔

عصر حاضر میں اس موضوع کی اہمیت اس وجہ سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ عورت کی سیاسی، انتظامی اور حکومتی قیادت کے مسئلے پر مختلف فکری، سماجی اور تہذیبی زاویوں سے متضاد آراء پیش کی جا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حلقوں کی جانب سے قطعی شرعی نصوص کی ایسی نئی تعبیرات پیش کی جاتی ہیں جو جمہور امت اور سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف دکھائی دیتی ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ یہ نصوص عمومی نہیں بلکہ کسی خاص شرط یا مخصوص واقعے کے ساتھ مقید ہیں۔ ایسے دعوے ایک واضح اور مدلل جواب کے متقاضی ہیں جو نص شرعی کے اصل مفہوم، اس کے تاریخی پس منظر اور اس کے لسانی سیاق و سباق کی طرف رجوع پر مبنی ہو۔

رسول اللہ ﷺ سے اس باب میں متعدد صحیح اور حسن روایات منقول ہیں، جو نہایت وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں کہ وہ قوم فلاح اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتی جس نے اپنی اعلیٰ قیادت، عمومی امارت اور اجتماعی نظم عورت کے سپرد کر دیا ہو۔ ان میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے:

"وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی جس کی قیادت عورت کے ہاتھ میں ہو" ¹

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو بکرہؓ کے واسطے سے روایت کیا ہے، نیز امام ترمذیؒ، امام احمدؒ، امام حاکمؒ، امام طبرانیؒ، امام ابو داؤدؒ، طیالسیؒ اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ جمہور محدثین نے اس کی صحت یا کم از کم اس کی قوی جہت کو تسلیم کیا ہے، جس کی بنا پر یہ روایت قیادت اعلیٰ کے باب میں سب سے مضبوط اور متفق علیہ دلائل میں شمار ہوتی ہے۔

حضرت ابو بکرہؓ کی روایت، جو صحیح بخاری (کتاب المغازی) میں وارد ہے، اس موضوع میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ انہوں نے اسے براہ راست رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں سنا، اور امت کا عملی تعامل تاریخ کے ہر دور میں اسی پر قائم رہا ہے۔ نہ کسی خلیفہ نے اس سے انحراف کیا اور نہ ہی ائمہ میں سے کسی نے اس کے خلاف موقف اختیار کیا۔ اسی اور اس جیسی دیگر روایات کی بنیاد پر ائمہ کی اکثریت نے یہ اصول طے کیا کہ امامت کبریٰ، خلافت عامہ، اعلیٰ حکمرانی اور عمومی قیادت شریعت اسلامی کے منہج میں عورت کے سپرد کیے جانے کے دائرے میں شامل نہیں، بلکہ یہ ذمہ داری مخصوص شرائط کے حامل عادل، قادر اور مومن مرد کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ، امام نوویؒ اور دیگر جلیل القدر ائمہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

اس مقالہ میں بنیادی طور پر حضرت ابو بکرہ رضی اللہ کی روایت کی تحقیق اور اس پر کئے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ اس مسئلہ سے متعلق اہل علم کے موقف کو بھی سے عمومی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

عورت کی سربراہی سے متعلق صحیح بخاری کی روایت:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: لَقَدْ نَفَعَنِي اللَّهُ بِكَلِمَةٍ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ الْجَمَلِ بَعْدَ مَا كُنْتُ أَنْ أَلْحَقَ بِأَصْحَابِ الْجَمَلِ فَأَقَاتِلَ مَعَهُمْ قَالَ: لَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَيْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَكَوا عَلَيْهِمْ بَنَتْ كِسْرَى قَالَ: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرْتُمْ إِمْرَأَةً.²

حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس بات میں فائدہ دیا جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ جمل کے دنوں میں سنا، جبکہ میں اصحاب جمل کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونے والا تھا اور ان کے ساتھ مل کر لڑنے والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سنا کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران مقرر کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم نے کسی خاتون کو اپنا حکمران بنایا، وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی۔“

اس روایت کو صحیح بخاری کے علاوہ سنن ترمذی³ سنن نسائی⁴ اور دیگر محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ لہذا حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے ذیل میں امام خطابیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جمہور کے قول کے مطابق عورت کسی امارت اور منصب قضا پر فائز نہیں ہو سکتی ہے۔⁵

امام بغویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ عورت نہ امام بننے کی اہل ہے اور نہ قاضی بننے کی؛ کیونکہ امام کو جہاد کے امور کی انجام دہی اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے لیے باہر نکلنا پڑتا ہے اور قاضی کو مقدمات کے فیصلے اور جھگڑوں کے تصفیے کے لیے عوام میں ظاہر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ عورت ستر ہے، اس کے لیے اس طرح ظاہر ہونا مناسب نہیں، نیز اپنی جسمانی کمزوری کی وجہ سے وہ بہت سے امور کی انجام دہی میں عاجز رہتی ہے۔ اس کے علاوہ عورت کو (ان کے نزدیک) ناقص قرار دیا گیا ہے، اور امامت و قضا ولایت کے کمال سے متعلق مناصب ہیں، اس لیے یہ صرف کامل مردوں ہی کے لیے موزوں سمجھے جاتے ہیں۔⁶

سنن ترمذی کی ایک روایت:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَانَ أَمْرًاؤُكُمْ خِيَارُكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سَمَحَاءُكُمْ، وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهَرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَ أَمْرًاؤُكُمْ شِرَارًاؤُكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءُكُمْ، وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا»⁷

ترمذی کی اس روایت میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ عورت کی حکمرانی کے وقت زمین کے اوپر رہنے سے زمین کے اندر رہنا بہتر ہے۔

مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ جب مرد حضرات عورتوں کی اطاعت کو قبول کریں تو وہ بربادی کی طرف جائیں گے۔⁸

عورت کی امارت کے حوالے سے کئی اہل علم نے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہیں لیکن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کی حکمران بننے کی صورت میں اس قوم کی ناکامی اور ہلاکت میں پڑنے کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں بعض اہل علم نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ کی روایت کو قبول نہیں کیا اور اس کے بارے میں شبہات کا اظہار کیا ہے جو کہ اس مسئلہ میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے اور کئی اہل علم نے اسی حدیث کو ہی بنیاد بنایا ہے اگرچہ اس کے علاوہ دیگر احادیث بھی موجود ہیں۔

صحیح بخاری کی روایت پر اعتراض

صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کے بارے میں ڈاکٹر شہزاد سلیم نے چند سوالات کئے ہیں جس کو ہم تفصیل سے بیان کریں گے اور اس کے بارے میں اہل علم کی طرف سے دئے گئے جوابات کو بھی ذکر کریں گے تاکہ مسئلہ کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔
ڈاکٹر شہزاد سلیم لکھتے ہیں:

"علما کی ایک کثیر تعداد کی یہ رائے ہے کہ کوئی خاتون ریاست کی سربراہ نہیں بن سکتی۔ ان میں سے بیش تر اپنی رائے کے استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ جبکہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ کی حدیث کے حوالے سے چند بنیادی اعتراضات ہیں:

اعتراض نمبر 1- حدیث کے متن سے واضح ہے کہ جنگ جمل (جو کہ ۳۶ھ میں ہوئی) سے پہلے یہ حدیث کسی کو معلوم نہیں تھی۔ یہ صرف اس وقت سامنے آئی جب حضرت عائشہ رضی اللہ کا سامنا جنگ جمل میں حضرت علی رضی سے ہوا۔

اعتراض نمبر 2- اس روایت میں ایک راوی عوف ابن ابی جمیلہ کو اگرچہ بعض ائمہ فن نے قابل اعتماد قرار دیا ہے، تاہم ان کے بارے میں مندرجہ ذیل جرح پیش نظر رہنی چاہیے:

امام ابو زرہ اور امام عقیلی، دونوں نے عوف ابن ابی جمیلہ کو اپنی "کتاب الضعفاء" میں درج کیا ہے۔⁹
الحاکم نیشاپوری لکھتے ہیں:

"میں نے پوچھا کہ عوف ابن ابی جمیلہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے (دار قطنی) نے جواب دیا: 'لیس بذاک'۔"¹⁰

الجز جانی لکھتے ہیں: ”عوف ابن ابی جلیلہ بڑی لاپرواہی سے اپنے دائیں بائیں سے کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کی آرائیں سے روایت کرتے ہیں۔“¹¹

حافظ المزنی لکھتے ہیں:

”ان میں سے کچھ کی رائے ہے کہ وہ قابل بھروسہ نہیں ہیں۔ وہ ایسی باتیں الحسن سے بیان کرتا ہے جو کبھی کسی نے بیان نہیں کی ہیں۔“¹²

اعتراض نمبر 3۔ مقدمہ ابن الصلاح میں اس حدیث کے غریب ہونے کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے یہ حدیث غریب ہے۔ فن حدیث میں اگر ایک روایت کی کسی بھی کڑی میں اگر صرف ایک راوی ہو تو وہ روایت غریب کہلاتی ہے۔¹³ اس روایت کو صرف ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی نوعیت ایسی ہے کہ اسے دوسرے صحابہ کرام کو بھی نبی علیہ السلام سے روایت کرنا چاہیے تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کسی نے بھی یہ روایت رسول اللہ سے روایت نہیں کی ہے۔

اعتراض نمبر 4۔ اگر حدیث کے متن کا جائزہ لیا جائے تو ہم آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کبھی اس طرح کے الفاظ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ رسول اللہ کے دور سے پہلے اور اس کے بعد بھی کتنی ہی کامیاب حکومتیں تھیں جن کی حکمران خواتین تھیں۔

اعتراض نمبر 5۔ سب سے آخری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَأْمُرُكُمْ شُؤْرَىٰ بَيْنَهُمْ¹⁴

”ان کا نظام ان کے باہمی مشورے پر مبنی ہے۔“

درج بالا آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان حکومت کو باہمی مشورے سے تشکیل پانا چاہیے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں اکثریت کی رائے فیصلہ کن ٹھہرے گی۔ چنانچہ جب تک ایک حکومت کو اکثریت کا اعتماد حاصل ہے، اسے برقرار رہنا چاہیے اور جب اسے یہ اعتماد حاصل نہ رہے تو اسے حکومت کرنے کا حق نہیں رہنا چاہیے۔ قرآن مجید نے کہیں بھی اس عمومی اصول سے خواتین کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ چنانچہ اس آیت کی رو سے اگر کسی ملک میں ایک خاتون ہی کو اکثریت کا اعتماد حاصل ہو، تو وہ یقیناً اس ملک کی سربراہ بن سکتی ہے۔ جو لوگ خواتین کے حکمران بننے کے قائل نہیں ہیں، ان کا ایک اور استدلال یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید نے مرد ہی کو خاندان کا سربراہ مقرر کیا ہے اور چونکہ ریاست مختلف خاندانوں ہی کا مجموعہ ہوتی ہے، لہذا خاندان کا سربراہ بھی صرف مرد ہو سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خواتین چونکہ خاندان کی سربراہ نہیں بن سکتیں، اس لیے وہ ریاست

کی سربراہ بھی نہیں بن سکتیں۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھنی بہت ضروری ہے کہ خاندان کا نظام اور حکومت کا نظام سربراہ کے تعین کے معاملے میں ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق خاندان کا سربراہ بعض مزاجی اوصاف کی وجہ سے منتخب کیا جاتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ خاندان کا کفیل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ شوہر کو گھر کا سربراہ نہ صرف اس کے مزاج کے اوصاف کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ اس پر گھر والوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے۔

اس کے برعکس، جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ ریاست کا سربراہ صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جسے قوم کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو۔ یہ قرآن مجید کے حکم 'أَمْزِیْمٌ مَّشُورٌ بَيْنَهُمْ'، "ان کا نظام ان کے باہمی مشورے پر مبنی ہے" (الشوریٰ ۴۲:۳۸) کا لازمی تقاضا ہے۔ چنانچہ اگر کسی ملک میں یہ اعتماد خاتون کو حاصل ہو جائے تو وہ ریاست کی سربراہ قرار پائے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ اس معاملے میں اکثریت کی رائے کا احترام کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں خاندان کے سربراہ کا انتخاب کسی ریاست کے سربراہ کے انتخاب سے بالکل مختلف معاملہ ہے۔ ایک کا اطلاق دوسرے پر کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔¹⁵

حدیث پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات ذکر کرنے سے پہلے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ کا مختصر تعارف بیان کرنا مناسب ہو گا۔ آپ صحابی رسول ہیں۔

آپ کا نام: نفع بن حارث بن کلدہ۔ کنیت: ابو بکرہ، لقب: ثقیفی۔ آپ کی جائے ولادت طائف شہر میں ہوئی۔ جب رسول اللہ نے طائف کا محاصرہ کیا تو عام اعلان فرمایا کہ جو آزاد ہم سے مل جائے گا وہ مامون ہے اور جو غلام چلا آئیگا وہ آزاد ہے، یہ اعلان سن کر رؤسائے طائف کے بہت سے غلام اسلام کے دامن حریت میں آ گئے، ان میں ایک ابو بکرہ بھی تھے، اعلان کے مطابق آپ نے انھیں آزاد فرمادیا، لیکن آزادی کے بعد ہی وہ اپنے کو آقائے دو عالم کا غلام ہی کہتے رہے۔¹⁶

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ اسلام قبول کرنے میں متاخرین میں سے شمار ہوتے ہیں لیکن آپ علیہ السلام کے ساتھ ہونے کی بناء پر آپ نے 132 احادیث مروی ہیں ان میں سے آٹھ احادیث متفق علیہ ہے اور پانچ احادیث امام بخاری نے روایت کی ہے۔¹⁷

حدیث پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات اور تجزیہ

حدیث کی نوعیت اور پس منظر میں غور، فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جنگ جمل کے موقع پر حضرت ابو بکرہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے متبعین کو سنائی تو کسی نے یہ اعتراض

نہیں کیا کہ ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں اور آپ کو کیسے معلوم ہے؟ یعنی اس وقت حضرت عائشہ جیسی عالمہ فاضلہ موجود تھی اور ان کی حمایت میں بہت ہی جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے کسی نے بھی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ اتنا عرصہ یہ حدیث آپ اپنے دل میں چھپائے بھیٹے تھے اور آپ عین موقع پر سنارہے ہیں یہ ہمیں قبول نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے اس اعتراض کا مطلب تو یہ یہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت ابو بکرہ نے اس حدیث کو اپنی طرف سے گڑھا ہے حالانکہ ابو بکرہ رضی اللہ صحابی رسول ہیں اور صحابہ کرام کے بارے میں اصول حدیث کا متفقہ قاعدہ ہے۔ الصحابة كلهم عدول۔¹⁸ صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

یعنی صحابہ کرام عام معاملات میں بھی قصداً جھوٹ نہیں بولتے تھے اور پھر ام المومنین حضرت عائشہ کے سامنے وہ جسارت کیسے کر سکتے ہیں۔ اور جب ابو بکرہ رضی اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ کے طرفدار ہونے کے باوجود ان کے سامنے یہ حدیث سنائی اور عین موقع پر جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حدیث کی بابت ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی حالانکہ اگر یہی حدیث اس طرح قابل اشکال ہوتی جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے سمجھا ہے تو علم حدیث میں کامل محارت رکھنے والی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ضرور ان پر نقد کرتی اور اس حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کرتی لیکن ایسا کچھ بھی منقول نہیں جس کے ثابت ہو کہ یہ حدیث من گھڑت نہیں ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے اسی حدیث کی تشریح یوں فرمائی ہے "قال ابن التين احتج بحديث ابن بكرة من قال لا يجوز ان لويي المرأة القضاء و هو قول الجمهور"¹⁹

حافظ ابن التين نے فرمایا ہے کہ جو علماء عورت کو قضا کا منصب سونپنا جائز نہیں سمجھتے انہوں نے ابو بکرہ رضی اللہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔
یہاں دو باتیں قابل غور ہے۔

1۔ بہت سے علماء ابو بکرہ رضی اللہ کی اس حدیث کو قابل استدلال سمجھتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی طرح روایت کو مجروح قرار نہیں دیا ہے۔

2۔ جمہور علماء کی رائے بھی اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔

جب جمہور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ کی حدیث کو قبول کر رہے ہیں تو ڈاکٹر صاحب کی جرح کتنی وزنی ہو سکتی ہے اسکا انداز لگایا جاسکتا ہے۔ نیز اگر ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث خدا نخواستہ ناقابل استدلال ہے تو ان کی دیگر 132 روایات کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

دوسرے اعتراض کا جواب

2- عوف ابن ابی جمیلہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے درج ذیل علماء کی جرحیں نقل کی ہیں۔

1- ابو زرہ 2- عقیلی 3- امام دارقطنی

4- الحبر جانی 5- امام مزی

اہل علم کے اقوال کے بارے میں تجزیہ

فن حدیث سے واقفیت رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ حدیث کے ہزاروں راویوں میں بہت ہی کم ایسے راوی ہیں جن پر محدثین نے جرح نہ کی ہو لہذا بعض محدثین کی کسی راوی پر جرح کرنا اس وقت تک موجب طعن نہیں بن سکتا جب تک جمہور نقاد اسکے ضعف کی صراحت نہ کریں۔

عوف ابن ابی جمیلہ کے بارے میں جمہور نقاد آخری فیصلہ یہ صادر کرتے ہیں کہ وہ قابل اعتماد ہے اور اس کے ثقہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے ان سے حدیث روایت کی ہے اور امام بخاری کی کڑی شرائط پر پورا اترنے والا راوی قابل اعتماد ہی ہو سکتا ہے۔ صرف امام بخاری کی توثیق بھی عوف ابن ابی جمیلہ کے لئے کافی ہے تاہم بعض دیگر ائمہ حدیث کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں تاکہ معاملہ مکمل واضح ہو جائے۔

علامہ شمس الدین محمد بن عثمان الذہبی فرماتے ہیں۔ عَوْفُ الْأَعْرَابِيُّ (٥) (ع)، أَبُو سَهْلٍ الْبَصْرِيُّ. عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، وَأَبِي رَجَاءٍ وَعَنْهُ شُعْبَةُ، وَرُوحٌ، وَهُودَةُ، وَالنَّضَرُ بْنُ شَمِيلٍ، وَخُلِقَ آخِرُهُمْ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ. وَكَانَ يُقَالُ لَهُ عَوْفُ الصَّدُوقِ - 20

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

1- عوف بن ابی جمیلہ 58ھ میں پیدا ہوئے۔

2- علامہ ذہبی نے آپ کو "الامام لفظ" کے وصف سے متصف جانا ہے۔

3- آپ صغار تابعین میں شمار ہوتے ہیں آپ کے اساتذہ میں ابو العالیہ، ابو رجاء الطارودی، زراذہ بن اوفی، ابن سیرین اور خلاص وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت بھی آپ کے اساتذہ کرام کی فہرست میں موجود ہے۔

4- آپ سے حدیث روایت کرنے والے (جلیل القدر حضرات میں امام شعبہ امام عبد اللہ بن مبارک، غندوف نصر بن شیمیل، ہودہ بن خلیفہ، عثمان بن الہیثم اور ایک بڑی جماعت شامل ہے۔

نتائج:

کسی راوی کے ثقہ ہونے کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ ان کے اساتذہ اور شاگرد کون سے لوگ ہیں اس اصول کے مطابق امام شعبہ اور امام عبد اللہ بن مبارک جیسے اکابرین علم کا عوف سے حدیث روایت کرنا اس کے ثقہ ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

ابو العالیہ اور ابن سیرین جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کا تلمذ بھی عوف کی ثقاہت کی ایک روشن دلیل ہے۔ امام نسائی جو جرح و تعدیل کے باب میں ایک منفرد نام رکھتے ہیں انہوں نے بھی عوف کے بارے میں "ثقہ ثبت" کے الفاظ لکھے ہیں۔²¹

ابو حاتم الرازی لکھتے ہیں:-

و قال ابو حاتم صدق صالح مزید لکھا ہے "نا عبد الرحمن قال سالت ابي عن عوف الا عرابی فقال صدوق صالح الحديث۔ 22

امام ابو حاتم نے عوف کو صدوق اور صالح الحدیث کہا ہے۔

ابن سعد کی رائے:-

كان ثقة كثير الحديث۔ 23

ابن حجر کی رائے:-

ثقة رمى بالقدر وبالترشيح

امام ذہبی صبح آپ کی روایت صحیح شمار ہوتی ہے۔²⁴

خلاصہ کلام

امام مسلم اور امام بخاری کا کسی راوی سے حدیث روایت کرنا اس راوی کی توثیق ہوتی ہے لیکن عوف ابن ابی جمیلہ کے بارے میں تو ایک ماہرین فن نے بھی اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ لہذا جمہور محدثین کی توثیق کے بعد کچھ حضرات کی جرح ایسی نہیں ہیں کہ عوف ابن ابی جمیلہ کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا جائے اور صحیح بخاری میں بھی موجود اس کی روایت کو رد کیا جائے۔

تیسرے اعتراض کا جواب:-

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اسے اکیلے صرف ایک صحابی حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اسے بہت سے صحابہ کرام جناب نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے۔"

حدیث غریب اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی صحابہ تابعین یا تبع تابعین کے زمانوں میں کبھی کسی بھی مرحلے پر ایک رہ گیا ہوں۔ مذکورہ حدیث صرف ایک صحابی حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے لہذا مصطلح الحدیث کی اصطلاح میں غریب ہے۔

کیا حدیث غریب ناقابل استدلال ہوتا ہے؟

فن اصول حدیث سے اونی مناسبت رکھنے والے بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ حدیث کا غریب ہونا حدیث کیلئے کوئی عیب نہیں ہے۔ لہذا اگر کوئی حدیث غریب ہو لیکن سند کے لحاظ سے صحیح ہو تو وہ قابل استدلال ہوگی۔

حدیث غریب کی مثال

ایک بڑی مشہور حدیث مبارکہ جو عموماً حدیث کی اکثر کتابوں کے شروع میں درج ہوتی ہے اور یہ تقریباً مسلمان اُسے جانتا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ " ، 25

بیشک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

یہ حدیث بھی اصول حدیث کے قواعد کے رُو سے غریب ہے کیونکہ اکیلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روایت کیا ہے لیکن قابل استدلال اور لائق احتجاج ہے۔

حدیث کی حجت کا دار و مدار رُوۃ کی عدالت اور یادداشت پر ہوتا ہے غرابت پر نہیں اور ہماری معلومات کے مطابق حدیث غریب کے نہ قابل استدلال ہونے کا قول فن اصول حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتا بلکہ اصول حدیث کی عام کتابوں میں یہ قاعدہ ضرور ملتا ہے "ان الغرابة لا تنافي في الصحة" 26 " 1 (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح - المجلد 1 - الصفحة 120 - جامع الكتب الإسلامية)

حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی ہے لہذا اگر اس حدیث کو صرف حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے تو یہ موجب طعن نہیں اور جب سند ہی صحیح ہے تو اس لیے قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیا یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے؟

ڈاکٹر صاحب کے بقول یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے اور ان کے خیال میں یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت "وَأْمُرْهُمْ شُرُوزِي بَيْنَهُمْ" 27 کے خلاف ہے۔

تجزیہ

قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں کسی بھی مستند مفسر نے یہ نہیں لکھا ہے کہ "لن یفلح قوم" والی حدیث اس آیت کے منافی ہے لہذا اگر بالفرض مذکورہ آیت اور حدیث میں کوئی منافات ہوتی جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے تو ضرور اسے ذکر کیا جاتا، بلکہ مفسرین کرام نے سورۃ نساء کی ایک دوسری آیت میں یہی حدیث بطور تفسیر و تائید پیش کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

• الرَّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ-----28

مرد حضرات نگران ہیں عورتوں پر اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ جاؤ اور انہیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو بے شک اللہ بلند بڑا ہے۔

اس کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔

(یقول تعالیٰ: (الرجال قوامون على النساء) أي: الرجل قيم على المرأة، أي هو رئيسها وكبيرها والحاكم عليها ومؤدبها إذا اعوجت (بما فضل الله بعضهم على بعض) أي: لأن الرجال أفضل من النساء، والرجل خير من المرأة؛ ولهذا كانت النبوة مختصة بالرجال) 29

اس عبارت کا خلاصہ نکات کی شکل میں پیش خدمت ہے۔

1- (الرَّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ) مرد عورتوں کا نگران، سربراہ اور ان پر حاکم ہوتا ہے اور جب کج روی اختیار کرتی ہیں تو ان کو ادب کا حکم دیتا ہے۔

2- مرد عورتوں سے افضل ہے۔ اسی وجہ سے نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔

3- ریاست کی بادشاہت بھی مردوں کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جو عورت کو اپنا سربراہ بنائیں۔

اس عبارت سے چند امور مزید واضح ہوئے۔

1- اسلامی ملک کی سربراہی مردوں کے ساتھ خاص ہے۔

2- مذکورہ حدیث قرآن پاک کے منافی نہیں بلکہ اس کی تائید کرتی ہے۔

3- امام ابن کثیر جیسے نقاد کے نزدیک مذکورہ حدیث بالکل صحیح اور قابل استدلال ہے اس کی سند بالکل قوی اور مضبوط ہے۔

4- جو تفاسیر ماخذ اور مصدر کا درجہ رکھتی ہے ان میں سے کسی بھی تفسیر میں (وَ أَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ) اور حدیث (لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ) میں تضاد یا منافات مذکور نہیں بلکہ اکثر مفسرین نے امام ابن کثیر کی طرح اسے سورۃ النساء کی آیت (الرِّجَالُ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ) کی تفسیر میں ذکر کیا اور اس حدیث پر کوئی نقد نہیں کیا ہے۔

پانچواں اعتراض

یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا قول نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ ﷺ سے پہلے اور بعد میں بہت سی عورتیں حکمران رہی ہیں اور انہوں نے خوب ترقی کی ہے۔

تجزیہ

اگر فلاح کا مفہوم مادی ترقی، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں برتری اور سہولیات زندگی کا حصول ہو پھر تو ڈاکٹر صاحب کی بات درست ہو سکتی ہے۔ لیکن فلاح کا مفہوم صنعتی اور مادی ترقی یا دنیوی فتوحات بالکل نہیں بلکہ دونوں جہانوں کی پوری پوری کامیابی کا نام فلاح ہے۔ موجودہ یہودیوں کی ترقی سے اس کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ یہودیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

• وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ³⁰

ترجمہ: اور ان (یہودیوں) پر ذلت اور بے کسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا۔

اگر ہم مشرق وسطیٰ کے موجودہ حالات کو دیکھیں تو بظاہر مسلمان ذلت آمیز شکستوں سے دوچار ہیں اور یہودیوں کا مقابلہ ملکر بھی نہیں کر سکتے۔ اور ان سے امن کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ اور پوری دنیا پر تقریباً یہودیوں کا قبضہ ہے اور عالمی سیاست پر خوب اثر انداز ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہودی کی موجود ترقی اور فتوحات کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ نعوذ باللہ کہ قرآن مجید کی وہ آیات جھوٹی ہیں جن میں یہودی کی ذلت اور ان پر لعنت کا ذکر آیا ہے تو اسکی یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی۔ اور یہ کہا جائیگا کہ موجودہ ظاہری ترقی اور عارضی عسکری فتوحات اور دولت کی ریل پیل اس ذلت کے منافی نہیں جو ان پر قیامت تک مسلط کی گئی ہے۔

سود / کے متعلق قرآنی فیصلہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کھلا کھلم دشمنی / جنگ ہے۔ لیکن ہم دیکھتے کہ دنیا کے جن ترقی یافتہ ملکوں میں سودی نظام زوروں پر ہے وہاں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ اور وہاں

معیار زندگی بہت بلند ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ سود خوروں کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے جنگ والی آیت نعوذ باللہ درست نہیں اور اس کو قرآن مجید میں غلط طریقے سے درج کیا گیا ہے تو اس قول کو ہرگز درست نہیں سمجھا جائیگا۔ بالکل اسی طرح خاتون حکمران کی موجودگی میں اگر کوئی ملک بظاہر ترقی یافتہ نظر آئے تو یہ حدیث کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

• يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّينَا وَيُزِيْبِي الصَّدَقَاتِ³¹

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ سود سے تورقم بڑھتی ہے گھٹتی نہیں اسلئے نعوذ باللہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہو ہی نہیں سکتا تو یہ قول مردود سمجھا جائیگا۔ بالکل اسی طرح عورت کی حکمرانی پر عدم فلاح کا قول صرف اس بنیاد پر ٹکراتا ہے کہ یہ مشاہدے کے خلاف ہے۔

عورت کی حکمرانی کا مسئلہ ایک فقہی مسئلہ بھی ہے اس لئے ہم نے اس آرٹیکل میں فقہی پہلو کی بجائے صرف روایات کو مد نظر رکھا ہے اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ کی روایت پر کئے گئے اعتراضات اور دئے گئے جوابات کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔

خلاصہ و نتائج

مقالہ میں عورت کی حکمرانی سے متعلق حضرت ابو بکرہ سے مروی صحیح بخاری کی حدیث "لَنْ يُفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمْرُهُمْ امْرَاةً" پر عصر حاضر میں کیے جانے والے اعتراضات کا علمی تجزیہ اور ان کے مدلل جوابات پیش کرنا تھا، تاکہ مسئلے کی اصل حقیقت واضح ہو سکے۔ مقالہ کے مطالعے سے یہ حقیقت پوری طرح سامنے آتی ہے کہ اسلام نے قیادت اور اجتماعی نظم جیسے حساس امور کو قطعی شرعی نصوص کی بنیاد پر منظم کیا ہے، نہ کہ محض انسانی تجربات، اکثریتی آراء یا وقتی سماجی رجحانات کی بنیاد پر۔ نبی کریم ﷺ کی مذکورہ حدیث اس باب میں ایک بنیادی، صریح اور قوی دلیل کی حیثیت رکھتی ہے، جسے امام بخاری سمیت متعدد جلیل القدر محدثین نے روایت کیا ہے، اور جمہور محدثین نے اس کی صحت اور حجیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس حدیث کی بنیاد پر امت کا عملی تعامل ہر دور میں یکساں رہا ہے اور تاریخ اسلام میں کسی معتبر امام یا خلیفہ سے اس کے خلاف موقف منقول نہیں۔

تحقیق سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکرہ کی روایت پر کیے جانے والے اعتراضات چاہے وہ حدیث کے ظہور زمانی، راوی عوف بن ابی جمیلہ کی ثقاہت، حدیث کے غریب ہونے، تاریخی مشاہدات یا قرآن سے تعارض کے حوالے سے ہوں سب اصول حدیث، جرح و تعدیل اور تفسیر قرآن کے مسلمہ قواعد کی روشنی میں

غیر مضبوط ثابت ہوتے ہیں۔ جمہور محدثین کے نزدیک عوف بن ابی جہیلہ ثقہ، صدوق اور صالح الحدیث راوی ہیں، اور کسی حدیث کا غریب ہونا اس کے غیر قابل استدلال ہونے کی دلیل نہیں بنتا، جیسا کہ ”إنما الأعمال بالنیات“ جیسی متفق علیہ حدیث سے واضح ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیت ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ کو بنیاد بنا کر اس حدیث کو قرآن کے خلاف قرار دینا بھی درست نہیں، کیونکہ مفسرین کرام کے نزدیک یہ آیت نظام مشاورت کو بیان کرتی ہے، نہ کہ ہر فرد کے لیے ہر منصب کی اہلیت کو۔ بلکہ متعدد مفسرین، بالخصوص امام ابن کثیرؒ نے سورہ نساء کی آیت ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ کی تفسیر میں اس حدیث کو تائیدی طور پر ذکر کیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ حدیث قرآن کے منافی نہیں بلکہ اس کے اصولی منہج کے عین مطابق ہے۔

مقالہ کا ایک اہم نتیجہ یہ بھی ہے کہ حدیث میں مذکور ”فلاح“ کا مفہوم محض مادی ترقی، صنعتی پیش رفت یا سیاسی استحکام تک محدود نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی پر مشتمل ہے۔ لہذا کسی ملک میں خاتون حکمران کی موجودگی میں ظاہری ترقی کا پایا جانا اس حدیث کی تردید نہیں بنتا، جیسا کہ سودی نظام یا کفار کی ظاہری ترقی بھی قرآن کے قطعی احکام کے منافی نہیں سمجھی جاتی۔

آخر میں مقالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ عورت کی اعلیٰ حکمرانی اور امارت عامہ کے عدم جواز کا موقف کوئی وقتی، ثقافتی یا مردانہ غلبے پر مبنی تصور نہیں بلکہ مضبوط حدیثی دلائل، قرآن مجید کی تفسیر، امت کے متفقہ تعامل اور جمہور اہل علم کی آراء پر قائم ایک مستحکم شرعی اصول ہے۔ اس تحقیق سے عصر حاضر میں پیدا ہونے والے فکری ابہامات کا ازالہ ہوتا ہے اور یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلامی نظام قیادت اپنی بنیاد، مقصد اور معیار کے اعتبار سے محض دنیوی کامیابی نہیں بلکہ حقیقی فلاح دارین کو پیش نظر رکھتا ہے۔

حواشی:

¹ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، حدیث، 4163، مکتبۃ طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ۔

² البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، حدیث، 4163۔

³ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، حدیث، 2262، دار الغرب الاسلامی، بیروت۔

⁴ النسائی، ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب، سنن النسائی، حدیث، 5390، دار التاویل،۔

⁵ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ۔ بیروت، 8/128۔

- ⁶ البغوی، محمد بن عبد المطفی، شرح مصابیح السنہ، ادارة الثقافة الاسلامیة، 1422ھ، 1/77۔
- ⁷ الترمذی، سنن ترمذی، حدیث، 2266۔
- ⁸ امام حاکم، مستدرک علی الصحیحین، 4/291، تحقیق، مصطفیٰ عبدالقادر عطا، بیروت، 1411ھ۔
- ⁹ ابوزرعہ، کتاب الضعفاء، ص، 659، امام عقیلی، ابو جعفر، کتاب الضعفاء والمتروکین، 3/429۔
- ¹⁰ موفق بن عبد اللہ بن عبد القادر، سوالات الحاکم للدار القطنی فی الجرح والتعديل، ص، 261، مکتبۃ المعارف، الریاض۔
- ¹¹ الجرجانی، ابرہیم بن یعقوب، احوال الرجال، ص، 114، مؤسسة الرسالة-بیروت، 1985۔
- ¹² حافظ المزنی، جمال الدین یوسف المزنی، تہذیب الکمال فی أسماء الرجال، 22/240، مؤسسة الرسالۃ، بیروت۔
- ¹³ ابن الصلاح، أبو عمرو تقی الدین عثمان بن عبد الرحمان، مقدمہ، ص، 270۔
- ¹⁴ سورة الشوری، آیت، 38۔
- ¹⁵ ڈاکٹر شہزاد سلیم، اسلام اور خواتین، المورد لاہور، جنوری 2015۔
- ¹⁶ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبری، 7/9، مکتبہ، الخانجی، قاہرہ۔
- ¹⁷ حافظ المزنی، تہذیب الکمال
- ¹⁸ امام سیوطی، تدریب الراوی، ص، 492، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
- ¹⁹ ابن حجر، فتح الباری، 12/111۔
- ²⁰ الذہبی، شمس الدین، میزان الاعتدال، 5/367، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1995۔
- ²¹ حوالہ بالا
- ²² ابن حجر، تقریب التہذیب، 5/154، دار العاصمہ سعودیہ عرب۔
- ²³ ایضاً
- ²⁴ الذہبی، شمس الدین، لسان المیزان، 5/368، دار الکتب العلمیہ بیروت 1995
- ²⁵ امام مسلم، صحیح مسلم حدیث، 1907
- ²⁶ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، 1/120، جامع الکتب الاسلامیہ۔
- ²⁷ سورة الشوری، آیت، 38۔
- ²⁸ سورة النساء، آیت، 34۔
- ²⁹ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، 2/261۔
- ³⁰ سورة البقرہ، آیت، 61۔
- ³¹ سورة البقرہ، آیت، 276۔